عمران اختر
ڈاکٹر قاضی عبدالرحمن عابد

# خطۂ ملتان میں ہریانی کے خدوخال: عمرانی و لسانیاتی مطالعہ

خطۂ ملتان زمانہ قدیم سے ہی علم وادب کا مرکز رہا ہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے اس کا شمار دنیا کے زندہ شہروں (Living Cities) میں ہوتا ہے، جب کہ اس خطہ کی ثقافتی و لسانی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ سیاسی طور پر یہ شہر انگریزوں سمیت بہت سے مسلم فاتحین کی توجہ کا مرکز بھی رہا ہے۔ برطانوی دورِ حکومت میں بھی یہ شہر بہت بڑی فوجی چھاونی کی حیثیت رکھتا تھا جب کہ اس خطے کی لسانی زمین بے شمار ذیلی بولیوں اور زبانوں سے خاصی زرخیز نظر آتی ہے۔ یہ شہر اپنی قدامت سمیت جغرافیائی، سیاسی، تہذیبی، سماجی اور علمی وادبی حوالوں سے بھی وادی سندھ میں نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطے کی قدامت کا پہلا دستاویزی ثبوت سر الیگزنڈر کننگھم کی زیرِ نگرانی کھدائی کے دوران ۱۸۵۳ء میں سامنے آیا۔ کھدائی کے دوران ملنے والے مٹی کے برتنوں، تانبے کے سکوں اور اینٹوں پر کندہ تحریروں کے مطالعے اور تجزیے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ یہ خطہ ۸۰۰ء قبل مسیح میں بھی ایک تہذیب یافتہ شہر کے طور پر اپنی ایک منفرد ثقافتی اور لسانی اہمیت رکھتا تھا۔ اس شہر کی قدامت اور تاریخی اہمیت کے باب میں علی ہجویریؒ المعروف حضرت داتا گنج بخش نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

> ''میری کتابیں غزنی میں رہ گئیں اور میں ملک ہندوستان کے ایک گاوں لہانور میں ہوں جو کہ ملتان کے گردونواح میں واقع ہے''۔[۱]

وادی سندھ کی اہم ترین دریائی گزرگاہ پر واقع یہ خطہ عراق، ایران اور انگریزی اقوام کے لیے بھی اہم تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ سکندرِ یونان نے ۳۲۷ء قبل مسیح میں جب اس پر حملہ کیا تب بھی ملوئی قوم کے اس علاقے میں قلعہ اور فصیل کے باقاعدہ آثار موجود تھے۔ یہ خطہ قدیم دریائے راوی کے دو بڑے جزیروں (تودوں) پر واقع تھا اور دونوں جزیروں کی اونچائی تقریباً ۱۵۰ فٹ جب کہ دریائے چناب کا بایاں کنارہ شہر ملتان سے ۶ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ ان دونوں جزیروں کے درمیان میں بازار واقع تھا جب کہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہنے کے لیے شہر کے چاروں طرف فصیل اور دروازے بھی لگائے گئے تھے۔ اس کے قدیمی باشندے سیاہ النسل تھے۔ اس خطۂ ملتان کو ہزاروں سال کے اس تاریخی پس منظر میں کبھی کس

پیپورس، بھاگ پورہ، سمب پورہ، ہنس پورہ، مول استھان، مالستھان پورہ، موتارن، ہیلولسان اور کبھی مولتان کے ناموں سے بھی پکارا جاتا رہا ہے۔ اس خطے کی تاریخی اہمیت کے حوالے سے ابنِ حنیف لکھتے ہیں کہ:

> ''ملتان سے عراق کے بحری راستوں کا تحریری ثبوت عراق کے سامی النسل عکادی بادشاہ شروکن کے اُن کتبوں سے ملا ہے جو عکاد (وسطی عراق) کے پُرانے مقامات کی کھدائی سے دستیاب ہوئے ہیں۔''[۲]

اس خطے کی تہذیبی برتری جہاں اس کی مذہبی اقدار و روایات کے سبب ہے وہیں اس کی تہذیبی قدامت بابل، موہنجوداڑو، اور ہڑپہ جیسی قدیم تہذیبوں سے مشابہت کے باعث بھی ہے۔ اس خطے کو یہ برتری اور اعزاز اس کی لسانی ماحول میں تنوع کے باعث ملا۔ اس خطے کے لسانی ماحول میں تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہزاروں سال پرانے اس تاریخی شہر میں عربی، سندھی، فارسی، مکرانی، ہریانی اور اس خطے کی مقامی بولیاں بھی اپنا کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ ان مقامی بولیوں (RegionaDilects) میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں بے شمار لسانی تبدیلیاں آئیں وہیں بہت سے زبانیں اور کئی مقامی بولیاں معدوم بھی ہوئیں۔ اس خطے کی پہلی بولی یا زبان کے بارے میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جاسکتا تاہم منڈاری قبیلہ کے لوگ جو سیاہ النسل تھے اور منڈاری زبان بولتے تھے اس خطے کے ''قدیمی باشندے'' کہلاتے ہیں۔ یہ خطہ چونکہ دریائی گزرگاہ پر واقع ہے لہٰذا بہت سے حملہ آور قبائل نے اس علاقہ کا رخ کیا اور یہاں کے مقامی قبائل کے ساتھ اُن کی جانب سے بے شمار حملوں کے آثار بھی ملے ہیں۔ ان حملہ آوروں نے یہاں کے مقامی قبائل کے ساتھ باہمی میل جول اور رسوم و روابط کو پروان چڑھانے کے لیے نہ صرف اُن کی مقامی بولی میں بات کرنا شروع کی بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنی زبان یا بولی کے سبب بھی اس خطے میں لسانی آبیاری کی۔ دُنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کے آثار و مساکن کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ یہ تمام تر تہذیبیں دریاؤں کے کنارے یا وادیوں میں ہی پروان چڑھیں۔ مغل دورِ حکومت میں بھی اس خطہ کی اہمیت تاریخی رہی ہے:

> ''اکبر کے زمانے میں صوبہ ملتان دھلی کے ماتحت تھا۔ صوبہ ملتان کی حدود کیچ مکران سے ملتی تھی اور اس کی لمبائی کیچ تک ۶۶۰ کوس تھی۔ اس وقت مشرق کی جانب سرکار رہند، مغرب میں کیچ مکران [ تک ] شمال کی طرف پرگنہ کوہستان تک، جنوب میں اجمیر تک، صوبہ ملتان پھیلا ہوا تھا۔''[۳]

چنانچہ اس خطۂ ملتان میں تہذیبی زندگی کے قدیمی آثار بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ فاتح اور مفتوح کے درمیان لسانی لڑائی میں غالب کی زبان مغلوب کی بولی یا زبان کو بری طرح متاثر کرنے کا سبب بنتی ہے اور یہ بھی کہ اشرافیہ کی زبان ہمیشہ اکثریتی

زبان کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ:

''فاتح و مفتوح جب تہذیبی، معاشرتی، معاشی، سیاسی و لسانی سطح پر ایک دوسرے سے ملے تو ایک بیچ میل قسم کی زبان اپنے خدوخال اُجاگر کرنے لگی تھی جس میں سامی، ایرانی، تورانی اور دوسری بولیوں نے مل جل کر لسانی کھچڑی پکانے کا عمل کیا تھا''[4]

خطۂ ملتان میں سیاحوں کی آمد کے ساتھ ہی یہاں کی تہذیبی اور لسانی زندگی کے آثار اُنھیں کی زبانی ہمارے سامنے آتے ہیں۔

''واضح ہوتا ہے کہ ہندی اور ایرانی تمدن کا سنگھم سندھ و [کذا۔اور] ملتان میں غزنوی عہد سے پیشتر ہو چکا تھا''[5]

اس خطے کا لسانی ماحول، تہذیبی قدامت اور مذہبی اقدار و روایات ایک منفرد حوالہ ہے جس کو عصر حاضر میں بھی اہل قلم اپنی تحقیق میں جگہ دیتے ہیں۔خطۂ ملتان کے لسانی ماحول میں جہاں عربی، فارسی، سندھی، پشاچی، وارچڈا، مکرانی، ہریانی اور منڈاری زبانوں کے الفاظ کی آمیزش جابجا دکھائی دیتی ہے وہیں اس خطے کی مقامی چھوٹی چھوٹی بولیاں اور ان کے بولنے والے قبائل اور خاندان بھی یہاں کی لسانی تشکیل میں برابر کے شریک ہیں۔اس ضمن میں یہ اقتباس ایک بنیادی حوالہ ہے:

''گویا سیاحوں کی آمد کے وقت یہ تینوں (فارسی، عربی، سندھی) زبانیں یہاں سمجھی اور بولی جاتی تھیں لیکن ظاہر ہے کہ ان سیاحوں کا تعلق چوتھی اور پانچویں صدی ہجری سے ہے۔۔۔گویا مسلمانوں کی سندھ اور ملتان آمد سے پہلے ملتان کی زبان ایک ملی جلی زبان تھی جس میں پشاچی اور وارچڈا پ بھرنش کے اثرات موجود تھے۔''[6]

تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ جہاں یہ علاقہ حملہ آوروں کے سبب لسانی تبدیلی کا پیش خیمہ بنا وہیں مقامی قبائل، چھوٹے چھوٹے خاندانوں اور گروہوں کو بھی اپنی زبان یا بولی کو شائستہ کرنے کا بھرپور موقع ملا جو قرب و جوار کے علاقوں سے ترک ہجرت کر کے یہاں خوراک، سایہ اور پانی کے فراوانی کے باعث سکونت پذیر ہوئے تھے۔لہٰذا اس خطے اور خصوصاً وادی سندھ کے اس میدانی علاقے میں تہذیبی، سماجی اور لسانی اختلاط نے یہاں کی مقامی زبان میں باہر سے آنیوالی مختلف زبانوں اور مقامی بولیوں کے بھی بہت سے الفاظ اپنے اندر سمو لیے اور یوں ایک نیا لسانی ماحول اس سرزمین پر اپنے تہذیبی نقش ثبت کرتا گیا۔زبان جو زندگی کی علامت اور مستقل ارتقا پذیر ہے، اس میں لسانی اظہار کی قوت اور ابلاغ کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔زبان اپنے ہیئتی ڈھانچے اور دیگر لسانی اکائیوں سے مسلسل اختلاط کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے۔

''زبان عرضی (Formal) نظاموں کی ایک توسیع شدہ استعارے کا نام نہیں ہے۔بالخصوص یہ

سوال تو کسی طور معقول نہیں کہ زبانیں دنیا کو کس طرح پیش کرتی ہیں۔زبان دنیا کو پیش نہیں کرتی۔لسانی اظہار کی ترکیبیں حسی و حرکی لحاظ سے اور زبان کے استعمال کے حوالے سے ایک الگ ہی انداز میں کام کرتی ہیں'' ۷

اس خطہ نے اپنے منفرد اور مخصوص طرز تمدن اور رہن سہن کے سبب ایک مخلوط تہذیب (Sub-culture) کو متعارف کرایا جو قریباً تمام برصغیر میں ایک جداگانہ اور زندہ تہذیبی تشخص رکھتی ہے۔اس خطے کی سیاسی اور معاشی اہمیت بھی ابتدا سے ہی رہی ہے۔دریائی راستے پر واقع ہونے کے سبب یہاں تجارتی قافلوں کی آمد بھی بعید از قیاس نہیں ہے جب کہ دوسرا سبب مذہبی حوالہ بھی ہے۔چوں کہ یہ خطہ کبھی عیسائیوں، کبھی ہندوؤں اور کبھی بدھ مت کے لیے مذہبی احیا کی مقدس آماج گاہ رہا ہے لہٰذا اس سبب سے یہاں پر مقامی اور خارجی بولیوں کا اختلاط ایک فطری عمل ہے۔زبان سے ایک نئی زبان یا بولی کا وجود میں آنا بعید از قیاس نہیں ہے مگر لسانی اختلاط کے بھی چند قواعد وضوابط ہوتے ہیں:

''زبان دوسری زبان کے الفاظ جتنے چاہے مستعار لے کر اپنا لے ایک زندہ اور بولی جانیوالی زبان غیر زبان کے صرفی، نحوی قاعدے اور تعمیری اصول کبھی نہیں اپناتی۔یہ زبان کی فطرت اور اس کے مزاج کے خلاف ہے۔'' ۸

تہذیب وثقافت کے ارتقا میں افراد واقوام کے اختلاط وارتباط کا عمل بھی اس خطے میں صدیوں سے جاری وساری ہے اور اشتراک وانجذاب کا یہ سارا عمل شعوری کوشش کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے اور غیر شعوری کا بھی۔اس لسانی زرخیزی کی بازگشت صرف اتنی ہے کہ:

''زبان نہ کسی کی ایجاد ہوتی ہے اور نہ کوئی اسے ایجاد کرسکتا ہے۔جس اصول پر بیج سے کونپل پھوٹتی، پتے نکلتے، شاخیں پھلتی، پھل پھول لگتے ہیں اور ایک دن وہی ننھا سا پودا ایک تناور درخت ہو جاتا ہے، اسی اصول کے تحت زبان پیدا ہوتی، بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے۔'' ۹

تاہم زبان کی پیدائش وارتقا میں چند عوامل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جیسے تجارتی مقاصد، سیاحت، مذہبی اکابرین، فاتح ومفتوح کا باہمی تعلق اور تہذیب وثقافت کی برتری وعظمت وغیرہ۔زبان چوں کہ کسی بھی شخص، قوم اور ذی روح کے لیے اس کے دل ودماغ کی اہتزازی کیفیات کی آئینہ دار ہوتی ہے اسی لیے اس کو اظہار وابلاغ کے لیے چند ایک صوتی، سمعی، بصری قوانین سے سابقہ پڑتا ہے۔تاہم تفاوت، تفاخر اور عدم تحفظ جیسے احساسات ہر علاقے یا افراد کے ذہنوں میں موجود ہوتے ہیں۔علاقائی بولیاں اور زبانیں نئی نئی زبانوں اور لہجوں کی بازیافت میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔تاہم زبان کی نشو نما کے عوامل میں یہ بات بھی اہم ہے کہ:

''علاقائی زبانوں کو قومی زبان کے بالمقابل نہیں لانا چاہیے اور نہ اس سے مقدم اور برتر خیال کرنا چاہیے جیسا کہ آج کل بعض لوگوں میں رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ درحقیقت علاقائی زبانوں کو قومی زبانوں کا معاون بنانے کی ضرورت ہے۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے دریا بڑے دریا میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ لسانی وحدت کا بہترین ذریعہ ہے۔''۱۰

زبان کی اولین شکل امری (Imperative) ہے۔ یہ ایک سماجی عمل ہے جو انسانی رویوں کے نتیجے میں پروان چڑھتا ہے۔ زبان کے ارتقا میں شعوری یا غیر شعوری تغیر و تبدل اور اشتراک و انجذاب کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔ وہ زبان جو اپنے ابلاغ کا جواز فراہم نہ کر سکے زیادہ زرخیزی کا سامان مہیا نہیں کر سکتی۔ ایک زبان یا بولی کا دوسری سے باہم اشتراک اس کی صوتی یا معنوی حالت کا اظہار ہے۔ زبان کے اغراض و مقاصد اپنی جگہ تاہم زبان کسی سائنسی فارمولے کی طرح Rigid نہیں ہوتی بلکہ زبان میں تغیر و تبدل اس کے لیے حیات کی علامت ہے:

''ہم ایک زبان کو کسی ایسے گز سے نہیں ناپ سکتے جو دوسری زبانوں سے مستعار لیا گیا ہو۔ اگر کوئی قبیلہ اپنی زبان میں اتنے الفاظ نہیں رکھتا جتنے انگریزی میں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انگریزی سے زیادہ قدیم یا غیر مہذب زبان ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس زبان میں زیادہ الفاظ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی ذاتی مقاصد کے لیے کافی الفاظ رکھتی ہے۔''۱۱

زبان کی شکل و شباہت بھی وقت کی طرح مسلسل تغیر کا شکار ہے۔ زبانوں کے مابین شکست و ریخت کے اسباب و علامات ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تاہم ہر زبان اپنے فطری رجحان پر سفر کرتی ہے۔ زبان کا غیر فطری رجحان پر سفر کرنا محال ہے۔ یہ اپنی ہیئت اور لسانی ڈھانچے کے سبب اپنے خط و خال کو وضع کرنے کے لیے دیگر ہم عصر زبانوں کے ساتھ مشترکہ لسانی ماحول پیدا کرنے کے لیے مصروفِ عمل رہتی ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں کہ:

''زبان کی ساخت، اُس کا ڈھانچہ، کینڈا یا ڈول ہے جو زبان کو دوسری ہم عصر زبانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ زبان اپنی ماہیت، امتیازی خط و خال، خصائص و احوال سے پہچانی جاتی ہے۔ اس لیے زبان کے خط و خال اور امتیازی صفات کو زبان کی ساخت کہا جائے گا۔ سرشت زبان کی سیرت اور اس کا فطری رجحان ہے۔''۱۲

زبان، شعور انسانی اور ادب ایک ایسی تکون ہے جہاں لسانی مظہریات کی عکاسی ہوتی ہے۔ علاقائی زبان، تحتی بولی اور ایک مربوط زبان باہم مل کر ایک مکمل نئے نظام کی جانب اشارہ کرتی ہیں اور یہی سفر جزو سے کُل کی جانب کا ہے۔ علاقائی زبان کب شستہ اور ادبی کہلائے گی اس کے لیے کوئی خاص پیمانہ یا معین وقت

نہیں ہوتا تاہم چند ایک محرکات کو ضرور نظر میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے:

> ''زبان کی لسانیاتی سطح سے قطع نظر اس کی ایک سطح وہ ہوتی ہے جو اس کی ادبی سطح کہلاتی ہے۔ادبی سطح پر بھی زبان کی جڑیں سماج اور تہذیب میں بہت گہری پیوست ہوتی ہیں۔سماج کی ہر دھڑکن اور تہذیب کی ہر کروٹ زبان کے وسیلے سے ادب میں منعکس ہوتی ہے۔گویا زبان وادب سماج اور تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔''[۱۳]

خطۂ ملتان چونکہ اپنے اندر بے شمار تہذیبی روایات کو سموئے ہوئے ہے لہٰذا یہاں کی بسنے والی مقامی آبادیوں اور مقامی بولیوں میں خطِ امتیاز قائم کرنا اس قدر آسان نہیں ہے۔جب متنوع سماج اور قبائل کے لوگ کسی مشترکہ تہذیبی ورثہ کو جنم دیتے ہیں تو وہاں تنوع کی صورت بہر حال موجود رہتی ہے اور تہذیب بھی اسی طرح قدیم اور گندھی ہوئی بولیوں کی آمیزش سے ترتیب پاتی ہے:

> ''زبان میں تغیر ہونا فطری امر ہے۔مختلف علاقوں میں یہ تغیر جب وسیع اور پرانا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ ایک ہی زبان کی دو بولیاں جداگانہ زبانیں بن جاتی ہیں۔نئی نئی زبانیں جس طرح وجود میں آتی ہیں اسی طرح پرانی زبانیں مٹتی بھی جاتی ہیں۔''[۱۴]

اردو کی علاقائی بولیوں میں شمال مشرقی ومغربی ہندوستان کی بولیاں بھی اس زبان کی لسانی آب یاری میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔وہ علاقے جوان مقامی بولیوں کے باہم اختلاط وانجذاب کو متناسب لسانی ماحول بہم پہنچاتے ہیں ان میں ہندوستان اور وادی سندھ کے اکثر علاقوں سمیت خطہ ملتان بھی ایک منفرد تہذیب اور زرخیز لسانی پس منظر رکھتا ہے۔ان مقامی بولیوں اور بیرون کی علاقائی بولیوں نے چاہے اردو کی لسانی تشکیل میں اپنا کوئی کردار ادا نہ بھی کیا ہو تب بھی یہ علاقائی اور تحتی بولیاں اپنا ایک الگ اور منفرد لسانی تشخص رکھتی ہیں۔

> ''کچھ لوگ ایسے ہیں جو مرکب تیار کرنے والی زبانوں میں سے ایک زبان (مثلاً پنجابی، ہریانی، برج) پر زور دیتے ہیں۔''[۱۵]

تاہم ہریانوی زبان کی قدامت اور اس پر دیگر زبانوں کے اثرات کی بازگشت بھی اپنی جگہ انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔مگر ہند آریائی زبانوں میں اس زبان کا شمار انتہائی اہمیت رکھتا ہے جبکہ گریرسن اس زبان کو مغربی ہندی کی بولیوں قنوجی اور بندیلی کے ساتھ کھڑا کرتا ہے:

> ''ہریانی کو انگریزی اور ہندی کی لسانیات کی کتابوں میں بانگڑو کہا جاتا ہے۔صرف اردو والے ہریانی کہتے ہیں۔ہانسی کی ہریانی کو معیاری زبان مان سکتے ہیں۔ہریانی پر پنجابی اور راجستھانی کا شدید اثر ہے۔''[۱۶]

اس خطۂ ملتان میں جہاں عربی، فارسی، سندھی، وارچڈ، اپ بھرنش، مکرانی اور علاقائی بولیوں کے

اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں وہیں شمال مشرقی ومغربی ہندوستان کی قدیمی بولی ہریانی (جس کو جاٹو یا بانگڑو کے علاقائی نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) بھی اپنا ایک جداگانہ تشخص رکھتی ہے۔ان مقامی بولیوں کی لسانی تشکیل کے باب میں یہ اقتباس بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔

''اردو کے آغاز کی بحثوں کے سلسلے میں جس کے نتیجے میں اردو کی بولیوں کا ذکر پراکرتوں اور اُن کی اصل کی بحثوں میں اُلجھ جاتا ہے۔بعض کے نزدیک ان علاقوں (شمال مشرقی اور شمال مغربی ہند اور ملحقہ علاقے) کی بعض بولیاں مثلاً برج بھاشا، بندیلی، قنوجی، کھڑی بولی اور ہریانی مغربی ہندی سے نکلی ہیں''۔ ۱۷

خطۂ ملتان میں ہریانوی زبان کے خدوخال دہلی کے شورش زدہ علاقوں سے افراد کی ہجرت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ ہریانوی کھڑی بولی سے قریب تر ہے یا نہیں اس جائزے میں لسانی محققین کسی ایک کروٹ دکھائی نہیں دیتے تاہم کسی بھی طرح اس زبان کے وجود اور اس کی لسانی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔بعد ازاں یہ بحث شروع ہوئی کہ اس زبان کے لیے کیا نام مناسب ہے تو اس ضمن میں زیادہ قیاس علاقے کی مناسبت سے ہی کیا جاتا ہے:

''پہلے یہ طے کریں کہ ہریانی اور میواتی کھڑی بولی سے قدیم تر ہیں۔ یہ دونوں یقیناً کم ترقی یافتہ ہیں۔ ہریانی کی تشکیل کھڑی بولی سے پہلے کی نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ محمود شیرانی کی طرح ڈاکٹر مسعود حسین خان کو بھی ہریانی یعنی بانگڑو بولی کی نوعیت کا اندازہ نہیں۔'' ۱۸

بعد ازاں دہلی کے شورش زدہ علاقوں کے افراد نقل مکانی کرتے ہوئے نہ صرف قریبی علاقوں بلکہ دریائے راوی اور سندھ کی ساحلی پٹی پر بھی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں وارد ہوئے اور یوں ان کی نقل مکانی مزید وسعت اختیار کرتے ہوئے بلا آخر خطۂ ملتان اور اس کے مضافاتی علاقوں تک پھیل گئی۔ یہ افراد اپنے ساتھ اپنی زبان بھی ان علاقوں میں ساتھ لائے اور آپس میں بات چیت کے لیے اسے استعمال میں لانے لگے اور ساتھ ہی ساتھ اس علاقے کے مقامی افراد سے میل جول کے لیے انھوں نے اُن کی زبان بھی آہستہ آہستہ سیکھنی شروع کی۔شمال کے حملہ آوروں نے جب دکن پر حملہ کیا تو اُن کے ساتھ ان کی زبان بھی حملہ آور ہوئی اور یوں ہریانی اپنے پرانے اور علاقائی ڈیل ڈول کے ساتھ نہ صرف دکن بلکہ نواح دہلی دہلی میں بھی پھیل گئی:

''قدیم دکنی زبان کے مطالعہ کے سلسلے میں اب تک ہریانوی کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔حالانکہ یہی زبان ہے جو قطع نظر شہر دہلی، ضلع دہلی میں آج بھی بولی جاتی ہے۔'' ۱۹

گریرسن نے اپنے 'لسانیاتی جائزۂ ہند' میں راجھستانی اور پنجابی کی آمیزش سے پیدا ہونے والی زبان کو قنوجی، بندیلی اور ہریانوی کے ناموں سے پکارا ہے چونکہ یہ زبانیں صوتی اور لسانی ڈھانچے میں ایک

دوسرے سے خاصی قریب دکھائی دیتی ہیں۔تاہم یہ بات بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ گریرسن کے اس جائزہ میں بھی اختلاف کی گنجائش موجود ہے:

''گریرسن موجودہ ہریانوی کو کھڑی بولی (ہندوستانی) ہی کی ایک شکل مانتا ہے۔جس مین راجستھانی اور پنجابی بولیوں کی آمیزش پائی جاتی ہے۔''[۲۱]

ہریانوی زبان کی قدامت کے باب میں بھی لسانی محققین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ زبان کا قدیم ہونا اس قدر اہمیت کا حامل نہیں ہے جتنا کہ اُس زبان کا اپنی بقا کو آج کے کثیرلسانی دور میں زندہ رکھنا۔دہلی کے مغربی اضلاع میں چونکہ جاٹ اور راجپوت خاندان مسلسل برسرِ پیکار رہتے تھے لہٰذا یہاں انھی خاندانوں کا اثر ورسوخ زیادہ تھا اس سبب سے یہاں ہریانوی دیگر علاقائی ناموں سے بھی پکاری جاتی رہی ہے۔ہریانہ چوں کہ ریاست راجھستان میں کبھی صوبہ اور کبھی ضلع کی حیثیت میں شامل رہا لہٰذا اسی علاقہ کی مناسبت سے اس علاقائی بولی کے لیے بطورزبان ہریانوی کا لفظ زیادہ موزوں نظر آتا ہے:

''دہلی کے شمال مغربی اضلاع کرنال، رہتک، حصار وغیرہ کی بولی (ہریانی، بانگرو یا جاٹو) ان تینوں ناموں سے پکاری جاتی ہے۔لیکن اس کا نام ہریانی زیادہ موزوں ہے۔ہریانہ مسلم عہد سے بھی قبل کا نام ہے۔''[۲۱]

جہاں تک سوال اس بحث کا ہے کہ ہریانی اُردو سے پہلے یا بعد کی زبان ہے تو زبانوں کے باہم اختلاط وارتباط کے بعد اس بات کا تعین کرنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔اُردو کے بہت سے الفاظ انگریزی زبان میں بھی مستعمل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس سے اُردو زبان کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔دراصل دیکھنا یہ ہوتا ہے مذکورہ زبان کی صوتی ولسانی مشابہت کہاں جا کر دوسری زبان سے میل کھاتی ہے:

''اس بات کو صاف طور پر واضح کرنا پڑے گا کہ ہریانی زبان کی پیدائش اردو کی پیدائش کے بعد عمل میں آئی اور اگر قدیم دکنی اردو کی بعض خصوصیات ہریانی زبان سے ملتی جلتی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اردو ہریانی سے بنی بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اردو اور ہریانی دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔''[۲۲]

ہریانوی کا ادبی سرمایہ زیادہ تر بانگرو یا جاٹو میں موجود ہے۔اس زبان کے لہجوں کے مابین فرق چند میل کے فاصلے پر ہی نمایاں ہو جاتا ہے۔گریرسن اور دیگر کئی لسانی محققین ہریانی کا تعلق مغربی ہندی سے بتاتے ہیں جبکہ دوسرا گروہ اس خیال کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا۔خطۂ ملتان میں ہریانی زبان اپنے خط وخال دیگر علاقائی زبانوں کے مقابلے میں زیادہ مناسب انداز میں وضع نہ کر سکی۔اس کے اسباب میں ادبی سرمایہ کا فقدان، کم ذخیرہ الفاظ جبکہ اس زبان کے بارے میں یہ تعصب بھی کہ یہ گنوار اور اَن پڑھ افراد کی بولی ہے بھی

شامل ہیں، تاہم حقیقت اس کے برعکس ہے:

> ''عبوری دور کی اردو کو گریرسن وغیرہ علماء قدیم ہندی کہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں مغربی ہندی کسی خاص جانی پہچانی زبان کا نام نہیں ہے۔ یہ کسی علاقے کی بولی جانے والی زبان نہ تھی۔ اردو برج، ہریانی، قنوجی، بندیلی کا مشترک لسانی سرمایہ مغربی ہندی ہے۔ یہ ایک طرح کی فرضی زبان ہے۔''۲۳

جب کہ اس سے بھی زیادہ توجہ طلب نظریہ پروفیسر مسعود حسین خان کا ہے جو اُردو زبان کی ابتدائی تراش خراش میں ہریانوی کا قابلِ لحاظ اثر سمجھتے ہیں جب کہ پروفیسر مسعود حسن خان کے اس نظریے کے جواب میں کہ پرانی ہریانی بھی اُن زبانوں میں سے ایک ہے جو اردو زبان کا ابتدائی ہیولہ تیار کرنے میں مصروف کار تھی۔ اس پر ڈاکٹر خورشید احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ:

> ''فی الحال اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ جب نواح دہلی کی بولیاں (برج، ہریانی اور کھڑی بولی) مسلمانوں کی فتح دہلی کے بعد کا ارتقا ہیں تو پھر اُن کی مُڈ بھیڑ پرانی ہریانی اور پرانی کھڑی بولی سے کیسے ہوگئی۔''۲۴

اگرچہ ہریانوی زبان نواح دہلی میں باقاعدہ اپنا اثر جما چکی تھی لیکن اس کے باوجود یہ زبان سندھ، پنجاب اور خصوصاً اس خطہ ملتان میں وہ مقام تو حاصل نہ کر سکی مگر لسانیات کے چند محققین بشمول مسعود حسین خان اور محی الدین قادری زور سمیت اس بات پر مُصر نظر آتے ہیں کہ اردو کی لسانی تشکیل میں اس زبان ہریانی نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔ یہ زبان کثیر الفاظ اور لسانی ساخت میں دیگر باقاعدہ اور ترقی یافتہ زبانوں سے کسی بھی طرح کم درجہ نہیں رکھتی، لہٰذا اس کا اُردو کی لسانی تشکیل میں ایک قابل قدر حصہ نظر آتا ہے:

> ''یہاں ایک اور بات مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ اردو پر بانگڑو یا ہریانی زبان کا بھی قابل لحاظ اثر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زبان دہلی کے شمال مغرب میں انبالہ کے اطراف اُس علاقے میں بولی جاتی ہے جو پنجاب سے دہلی آتے ہوئے راستے میں واقع ہے اور دہلی پر حملہ کرنے والوں یا وہاں کے حکمرانوں کے ہمراہ اسی علاقے کے رہنے والے بھیر و بنگاہ کی حیثیت سے دہلی اور اس کے نواح میں آ کر آباد ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فاتح اور مفتوح کے میل جول سے جو زبان بنتی چلی آ رہی تھی اس میں ہریانی عنصر بھی شامل ہوتا چلا گیا۔''۲۵

ہریانوی زبان خطۂ ملتان میں اکثریتی زبان کا درجہ تو حاصل نہ کر سکی تاہم اردو، پنجابی، سندھی اور ملتانی زبان کی ترویج و ترقی میں اس زبان نے زرخیز کردار ادا کیا ہے۔ اس خطے کے ممتاز قلم کار نوشاد قاصر نے ہریانوی زبان کی ایک مبسوط لغت مرتب کی ہے جس کی طباعت اس زبان کو سمجھنے میں مزید معاون ثابت ہو گی۔ مذکورہ زبان کثرت الفاظ اور محاورات کا بھی ایک کثیر سرمایہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس غیر مطبوعہ

لغت سے چند الفاظ مع اردو معنی کے ملاحظہ ہوں:

| ہریانوی الفاظ | کیفیت | اردو معنی |
| --- | --- | --- |
| کپوت (کَ ۔ پوت) | مذکر | نالائق بیٹا۔ بُرا یا بدچلن لڑکا |
| کِت (تابع فعل) | مذکر | کدھر۔ کس طرف۔ کہاں |
| کُترنی (کُت ۔ ری) | مونث | قینچی |
| کُتھا (کُت ۔ ھا) | مونث | کہانی ۔ قصہ |
| کُٹھے (کَ ۔ ٹھے) | مذکر | کس جگہ۔ کہاں |
| کُجات (کُ ۔ جات) | مذکر | کمینہ۔ نیچی ذات کا |
| مَت (مَ ۔ ت) | مذکر | عقل۔ سمجھ۔ دانش۔ نصیحت |
| مَتیرا (مَ ۔ تی ۔ را) | مذکر | تربوز |
| من بھاندا (مَ ۔ ن ۔ بھاندا) | مذکر | مرغوب ۔ دل پسند |
| ماٹی (ماٹ ۔ ی) | مونث | مٹی ۔ خاک ۔ دھول |
| گوت (گو ۔ ت) | مذکر | حسب نسب ۔ خاندان |
| گوتی (گوت ۔ ی) | مذکر | ہم نسل ۲۶ |

ہریانوی زبان ایک کثیر لفظی زبان ہے۔ اس کا لسانی ڈھانچہ بھی دیگر مقامی بولیوں کی طرح بہت سی دیگر تحتی بولیوں کی آمیزش سے وجود میں آتا ہے۔ یہ زبان ایک منفرد لسانی تشخص رکھتی ہے اور کسی بھی با قاعدہ زبان کے تمام تر ذیلی اور بنیادی مقاصد کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ چند ایک محاورات ملاحظہ ہوں:

| ہریانی محاورہ | اردو معنی |
| --- | --- |
| ماٹی اُٹھن | مرنا۔ فوت ہو جانا |
| ماٹی پُرن | دفن ہونا۔ تنازعہ ختم کرنا |
| ماٹی دین | دفن کرنا۔ دفن کرتے وقت مٹی ڈالنا |
| گوڈے ٹوٹن | گھٹنے ٹوٹ جانا۔ ہمت ہار دینا ۲۷ |

خطۂ ملتان میں ہریانوی کے خدوخال معروض اور عصر حاضر کی میں معدوم ہوتی ہوئی بولیوں میں سے کسی زبان کے زندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ جیسے جیسے انسان مہذب ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے وہ مہذب معاشروں کی زبان سے بھی مغلوب ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ تاہم مہذب زبانوں کے مہذب ہونے اور بولی سے

ایک شستہ اور شائستہ زبان کا درجہ حاصل کرنے تک کے اس سفر میں ہریانوی اوراس طرح کی دیگر چھوٹی چھوٹی قبائلی اور علاقائی بولیاں بھی آج کی مہذب زبان کو مہذب بنانے میں ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہیں۔جس طرح عمارت کی اصل مرکز پر مرکوز ہوتی ہے بالکل اسی طرح کوئی بھی مقامی بولی یا تحتی لہجہ معیاری یا غیر معیاری تو ہوسکتا ہے مگر بے سود ہرگز نہیں۔اس زبان کی لسانی اہمیت کے باب میں گریرسن کے 'لسانیاتی جائزہ ہند' سے ماخوذ یہ خاکہ بھی بے حد اہمیت رکھتا ہے:

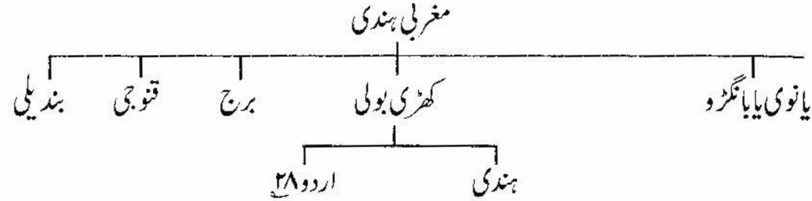


خطہ ملتان میں ہریانوی خدوخال ہیں مگر ہریانوی زبان ان حروفِ تہجی کو استعمال میں نہیں لاتی۔ ہندی کی طرح ہریانوی بھی دوچشم خطۂ ملتان چوں کہ وادی سندھ میں لسانی نقطہ نظر سے ایک زرخیز علاقہ سمجھا جاتا ہے لہٰذا جہاں سندھی، عربی اور فارسی سمیت دیگر زبانوں نے اس خطہ کی لسانی آبیاری میں حصہ لیا، وہیں چھوٹی چھوٹی تحتی اور ذیلی بولیوں نے بھی اس خطے میں نمو پائی۔ ہریانوی چونکہ ایک قدیم اور باضابطہ زبان کے روپ میں ہریانہ کی سرزمین سے اٹھ کراس خطے میں آکر آباد ہوئی لہٰذا اس کے حروف تہجی بھی سرائیکی اور اردو سے کہیں مشترک اور کہیں جدا نظر آتے ہیں۔مثلاً

''ن۔ل۔ھ۔لھ۔رھ'' ☆

نوٹ: ''ن'' کے نقطے کے اوپر اور''ل'' کے نیچے ہریانوی میں''ط'' کا حرف لکھا جاتا ہے، لہٰذا جہاں بھی ہریانوی میں یہ حرف استعمال ہوں انہیں''ط'' کے ساتھ ہی پڑھا جائے۔

یہ ایسے حروف ہیں جو سرائیکی میں بھی معمولی زیروبم کے ساتھ مستعمل ہیں مگر یہ خاص ہریانوی حروف تہجی ہیں۔اس کے ساتھ ہی ساتھ ہریانوی چونکہ اپنے حروف تہجی کے ساتھ لسانی ماحول میں زندہ ہے تو اس نے بہت سے اردو حروف تہجی کو اپنے مخصوص صوتی نظام کی بدولت اپنے سے دور ہی رکھا ہے۔جیسے

ث۔خ۔ذ۔ز۔ژ۔ص۔ض۔ع۔غ۔ف۔ق

یہ حروف تہجی جو اردو اور سرائیکی دونوں میں مستعمل ہیں''ھ'' کو استعمال میں لاتی ہے۔جیسے:

| اردو | ہریانوی |
|---|---|
| باہر | بارھ |

| | |
|---|---|
| منہ | منھ |
| کہاں | کتھے |

الغرض اردو الفاظ بھی ابتداً ہریانوی لب و لہجہ اور حروفِ تہجی میں ہی لکھے جاتے تھے جیسے بہت سی اردو کی پرانی کتب میں آج بھی دو چشمی ''ھ'' کا استعمال دیکھنے میں آتا ہے۔ مثلاً منشی حکم چند کی کتاب تواریخ ضلع ملتان، ۱۸۸۴ء میں بھی جا بجا دو چشمی ''ھ'' کا استعمال دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''شھر ملتان'' کی وجہ تسمیہ، کیفیت آبادی، شھر ملتان میں درج ہے۔۔۔۔ شمالاً راوی، چناب جھلم گویا مثلِ جالندھر کی دوآبہ کہنا چاہئے۔'' ۲۹

جہاں تک سرائیکی زبان کا تعلق ہے تو وہ بھی چند مخصوص حروفِ تہجی اپنے مخصوص صوتی نظام کی بدولت استعمال میں لاتی ہے۔ جیسے شوکت اللغات میں سرائیکی کی خاص آوازیں درج ذیل ہیں:

''ٻ۔ ڄ۔ ݙ۔ ڳ۔ ݨ۔'' ۳۰

ان مخصوص حروفِ تہجی میں ''ݨ'' ہریانوی اور سرائیکی دونوں زبانوں میں باقاعدگی سے استعمال ہوتا ہے اور قدیم ملتان میں بھی یہ لفظ ہریانوی زبان کی طرز پر ہی مستعمل نظر آتا ہے۔ اسی طرح ''لھ'' بھی دونوں زبانوں میں مستعمل ہے جسے سرائیکی میں ''گالھ'' اور ہریانوی میں ''کالھ، مالھ'' وغیرہ۔ اسی طرح ''رھ اور مھ'' بھی ہریانوی اور سرائیکی دونوں زبانوں میں مشترک طور پر مستعمل ہیں جبکہ حرف ''نھ'' کی آواز صرف سرائیکی کے لیے مخصوص ہے۔ ہریانوی زبان نے اس خطے میں نہ صرف اس خطہ کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ملتانی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں بلکہ اردو بھی ہریانوی زبان سے اپنا دامن نہ چھڑا سکی۔ ذیل میں چند جملوں کی مدد سے ہریانوی زبان کے خدوخال اس خطے میں دیکھنے کے لیے ان زبانوں کا لسانی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

| ہریانوی | سرائیکی | اُردو |
|---|---|---|
| استاد شاگرد گیل آیا | اُستاد شاگرد دے نال آیا | اُستاد شاگرد کے ساتھ آیا |
| یہے ورقے منے لکھے سیں | یہ ورقہ میں لکھیا | یہ ورق میں نے لکھے |
| اسلم چاہ پی کے بجار چالا گیا | اسلم چاہ پی تے بازار چلیا گیا | اسلم چائے پی کر بازار چلا گیا |
| یو بڈھا اُت سے اِت آیا | اے بڈھا اُتھوں اِتھے آیا | یہ بوڑھا وہاں سے یہاں آیا |
| دو چھن بیٹھ پھر بگھ جیے | ساں تاں گھن ول چلا ونجیں | دم بھر بیٹھو پھر چلے جانا |

ہریانوی اور اردو کی مماثلت کے باب میں یہ بات بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اردو اور ہریانوی کے ضمائر بھی قریب قریب ایک جیسے ہیں، مثلاً اردو میں ''یہ'' اور ہریانوی میں ''یوہ'' اردو میں ''کون'' اور ہریانوی میں ''کون''، اردو میں ''تم'' اور ہریانوی میں ''تَم'' وغیرہ۔ اس کے علاوہ دونوں زبانوں کے مصوتوں میں غیر ہکاریت کا عنصر بھی ایک دوسرے کو بے حد قریب کر دیتا ہے، مثلاً اِبی (ابھی) وغیرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ دونوں زبانوں کی صرفی ونحوی خصوصیات میں بھی قدرِ مشترک موجود ہے مثلاً ''نے'' کا استعمال جہاں علامتِ فاعل کے طور پر ہوتا ہے وہیں معفول کے طور پر بھی، مثلاً ہریانوی میں ''اُس نے منے ماریا'' جبکہ اُردو میں ''اُس نے مجھے مارا'' وغیرہ۔ اب ذیل میں چند ضرب الامثال کی مدد سے ہریانوی اور اردو میں باہم مماثلت ملاحظہ ہو:

۱۔ اپنی بدل کھالم کھولا اور کی بدل ٹال مٹولا
(اپنی غرض کا بہت بہت خیال رکھنا۔ دوسرے کے کام کے وقت ٹال مٹول کرنا)

۲۔ مرے بنا شرگ نہیں ملدا
(کوشش کے بغیر کامیابی نہیں ہوتی)

۳۔ اپنی کرنی پار اترنی
(اپنے ہی اعمال کام آتے ہیں)

۴۔ اپنے نین گنوا کے دَر دَر مانگے بھیکھ
(اپنی دولت برباد کر کے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا)

۵۔ اپنے پوت کنوارے پڑوسن کے پھیرے
(عزیز محروم رہیں دوسرے فائدہ اُٹھائیں) ☆

خطۂ ملتان چوں کہ ایک منفرد تہذیبی تشخص اور قدیم تاریخ رکھتا ہے لہٰذا اس خطے میں معدوم ہوتی یہ بولیاں لسانی دنیا میں ایک منفرد حوالہ ہیں اور خصوصاً ہریانوی نے تو اس خطہ کی لسانی آب یاری میں مثبت کردار ادا کیا ہے۔ جس طرح کھڑی بولی، برج، قنوجی، بندیلی اور دیگر مغربی ہندی زبانوں نے اردو کی ترویج و اشاعت میں اپنا کردار ادا کیا ہے اس طرح ہریانوی زبان نے بھی اس خطہ میں بالخصوص اور دیگر علاقوں میں بالعموم لسانی ماحول کو زرخیز کرنے میں اپنا منفرد کردار ادا کیا ہے۔

## حواشی:

1. علی بن عثمان، ہجویری، ابوالحسن سید، 'کشف المحجوب'، مترجم: محمد حسین منظر، ملک دین محمد سنز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۲۸ء، ص ۱۱۳۔
2. ابنِ حنیف، 'سات دریاؤں کی سرزمین'، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۷۲۔
3. پرویز سجاد حیدر: ''ملتانی''، الفیصل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۔
4. ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تاریخ ادب اُردو''، جلد اول مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۶۷۲۔
5. حافظ محمود شیرانی: ''پنجاب میں اُردو''، نسیم بک ڈپو لکھنؤ، ۱۹۷۰ء، ص ۳۰۔
6. ڈاکٹر روبینہ ترین: ''ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل اور دوسرے مضامین''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول ۲۰۰۴ء، ص ۳۰، ۲۷۔
7. ناؤم چومسکی: ''ورلڈ آرڈر کی حقیقت''، مترجم: مخدوم احسن محمود، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۶۱۔
8. T.G.Tuckec:Natural History Of Language,Page 102، بحوالہ: ''داستان زبانِ اُردو'' از حامد حسن قادری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۶۰۔
9. عبدالحق، مولوی، 'قواعدِ اُردو، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۷۔
10. لسانی مقالات (حصہ دوم)، مرتبہ: سید قدرت نقوی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، اگست ۱۹۹۸ء، مشمولہ ماہ نو کراچی، جون ۱۹۶۴ء۔
11. ڈیوڈ کرسٹل: ''لسانیات کیا ہے؟'' مترجم: ڈاکٹر نصیر احمد خان، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۲۸۔
12. ڈاکٹر شوکت سبزواری: ''اُردو لسانیات''، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ (انڈیا)، ۲۰۰۰ء، ص ۲۵۔
13. اُردو زبان کی سماجی اور تہذیبی جڑیں، مرزا خلیل احمد بیگ، مشمولہ مجلہ 'تحقیق'، شمارہ ۱۸، سندھ یونیورسٹی جام شورو، ۲۰۰۹ء، ص ۴۹۔
14. ڈاکٹر عبدالسلام: ''عمومی لسانیات''، رائل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۔
15. ڈاکٹر گیان چند جین: ''لسانی مطالعے''، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی (انڈیا)، ۱۹۹۱ء، ص ۶۹۔۷۰۔
16. ڈاکٹر گیان چند جین: ''عام لسانیات''، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۸۷۰۔
17. ڈاکٹر رؤف پاریکھ: ''پاکستانی زبانیں، تحتی بولیاں اور قومی یک جہتی''، مشمولہ، 'تحقیق' شمارہ ۱۶، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۲۰۰۸ء، ص ۵۴۔
18. ڈاکٹر گیان چند جین: ''لسانی مطالعے''، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی (انڈیا)، ۱۹۹۱ء، ص ۸۵۔۸۴۔
19. ڈاکٹر مسعود حسین خان: ''مقدمہ تاریخ زبانِ اُردو''، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ (انڈیا)، ۱۹۹۰ء، ص ۲۳۶۔
20. جارج گریرسن، ''لسانیاتی جائزہ ہند''، حصہ اول، (جلد ہفتم)، ص ۳۵۲۔

۲۱۔ ''ہریانوی زبان میں تالیفات'' از حافظ محمود شیرانی مشمولہ اورینٹل کالج میگزین، جلد ہشتم، ۱۹۳۷ء۔

۲۲۔ ''اُردو کی ابتدا''، مشمولہ اُردو لسانیات، ۱۹۸۱ء، ص ۵۵۔

۲۳۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری: ''اُردو لسانیات''، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ (انڈیا)، ۲۰۰۰ء، ص ۱۹۔

۲۴۔ خورشید احمر صدیقی: ''اُردو زبان کا آغاز، مختلف نظریے اور حقائق''، جموں کشمیر، ۱۹۹۳ء، ص ۵۵۔

۲۵۔ ڈاکٹر محی الدین زور قادری: ''ہندوستانی لسانیات''، مکتبہ معین الادب، طبع سوم، لاہور، جنوری ۱۹۶۱ء، ص ۱۱۶۔

۲۶۔ نوشاد قاصر: ''ہریانوی لغت''، غیر مطبوعہ (ملتان)۔

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ مذکورہ خاکہ جارج گریرسن کے لسانیاتی جائزہ ہند جلد ہفتم سے مستفاد ہے۔

۲۹۔ منشی حکم چند: ''تواریخ ضلع ملتان''، ۱۸۸۴ء، باردوم ۲۰۱۰ء، بزمِ ثقافت ملتان، ص ۲۔

۳۰۔ شوکت مغل (مؤلف) ''شوکت اللغات'' (اُردو سرائیکی لغت)، سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۱۰ء، ص ۱۶۔

☆ ماخوذ از نوشاد قاصر، ''ہریانوی لغت'' غیر مطبوعہ، ملتان۔

## فہرستِ اسنادِ محولہ:

### کتب:


۱۔ ابنِ حنیف: ۱۹۸۵ء، ''سات دریاؤں کی سرزمین''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔

۲۔ احمر صدیقی، خورشید: ۱۹۹۳ء، ''اُردو زبان کا آغاز، مختلف نظریے اور حقائق''، جموں کشمیر۔

۳۔ پرویز، سجاد حیدر: ۲۰۰۷ء، ''ملتانی''، الفیصل پبلشرز، لاہور۔

۴۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۱۹۸۵ء، ''تاریخ ادب اُردو''، جلد اول، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۵۔ جین، گیان چند، ڈاکٹر: ۱۹۹۱ء، ''لسانی مطالعے''، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، انڈیا۔

۶۔ جین، گیان چند، ڈاکٹر: ۲۰۰۳ء ''عام لسانیات' قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان''، نئی دہلی۔

۷۔ حکم چند، منشی: ۲۰۱۰ء، ''تواریخ ضلع ملتان'' طبع دوم، بزمِ ثقافت، ملتان۔

۸۔ خان، مسعود حسین، ڈاکٹر: ۱۹۹۰ء، ''مقدمہ تاریخ زبانِ اُردو''، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، انڈیا۔

۹۔ ڈیوڈ کرسٹل: ۱۹۹۷ء، ''لسانیات کیا ہے؟'' مترجم: ڈاکٹر نصیر احمد خان، نگارشات، لاہور۔

۱۰۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر: ۲۰۰۴ء، ''ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل اور دوسرے مضامین''، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۱۱۔ زور، قادری، محی الدین، ڈاکٹر: جنوری ۱۹۶۱ء، ''ہندوستانی لسانیات، مکتبہ معین الادب'' طبع سوم، لاہور۔

۱۲۔ سبزواری، شوکت، ڈاکٹر: ۲۰۰۰ء ''اُردو لسانیات''، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، انڈیا۔

۱۳۔ شیرانی، محمود، حافظ: ۱۹۷۰ء، ''پنجاب میں اُردو''، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ۔
۱۴۔ عبدالحق، مولوی: ۱۹۶۱ء، ''قواعدِ اُردو''، انجمن ترقی اردو، کراچی۔
۱۵۔ عبدالسلام، ڈاکٹر: ۱۹۹۴ء، ''عمومی لسانیات''، رائل بک کمپنی، کراچی۔
۱۶۔ قادری، حامد حسن: ۱۹۶۶ء، ''داستان زبانِ اُردو''، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی۔
۱۷۔ قاصر، نوشاد، 'ہریانوی لُغت'، غیر مطبوعہ (ملتان)
۱۸۔ گریرسن، جارج: 'لسانیاتی جائزہ ہند، حصہ اول (جلد ہفتم)۔
۱۹۔ مغل، شوکت: ۲۰۱۰ء، مؤلف، ''شوکت اللغات''، (اُردو سرائیکی لغت)، سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان۔
۲۰۔ ناؤم چومسکی: فروری ۲۰۰۴ء ''ورلڈ آرڈر کی حقیقت''، مترجم: مخدوم احسن محمود، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور۔
۲۱۔ نقوی، قدرت، سید: مرتب، اگست ۱۹۹۸ء، ''لسانی مقالات'' (حصہ دوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔
۲۲۔ ہجویری، علی بن عثمان، ابوالحسن، سید: ۱۹۲۸ء، ''کشف المحجوب''، مترجم: محمد حسین منظر، ملک دین محمد سنز پبلی کیشنز، لاہور۔

رسائل:

۱۔ اورینٹل کالج میگزین، جلد ہفتم، ۱۹۳۷ء، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔
۲۔ شش ماہی مجلّہ ''تحقیق''، شمارہ ۱۶، (۲۰۰۸ء)، شمارہ ۱۸، (۲۰۰۹ء)، سندھ یونیورسٹی جام شورو۔
۳۔ ماہ نامہ ''ماہ نو''، جون ۱۹۶۴ء، کراچی۔

---